غلام گردش

ناکام ریاست

''امریکہ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی اقتصادی اور عسکری قوت ہی نہیں' بلکہ اس کی خارجہ پالیسی میں کسی بھی کمزور ملک کو اپنی خواہشات کے حساب سے ڈھالنے کی قوت موجود ہے۔ جہاں تک اخلاقیات کا تعلق ہے' اس قوت کا دوسرے ممالک کے معاملے میں کسی قسم کا کوئی اخلاقی اصول موجود نہیں ہے''۔ یہ حقیقی الفاظ نوم چومسکی کے ہیں۔ جو حد درجہ قابل احترام' لائق فلسفی اور امریکی سیاسی دانشور ہے۔ نوم چومسکی امریکہ کی پالیسیوں کے متعلق لاتعداد کتابیں لکھ چکا ہے۔ اس میں چومسکی کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ ''ایڈم سمتھ نے لکھا تھا کہ دنیا کے تمام وسائل ہمارے لئے ہیں۔ اور دوسروں کے لئے کچھ بھی نہیں۔'' چومسکی امریکی خارجہ اور داخلہ پالیسیوں میں بہت بہادری سے ہر وہ خامی تسلیم کرتا ہے' جس پر بات کرنی از حد مشکل ہے۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ امریکہ اپنے اخلاقی اصول خود وضع کرتا ہے اور اس میں کسی قسم کی کوئی مصنوعی بات نہیں ہے۔ چومسکی یہ بھی لکھتا ہے کہ امریکہ پوری دنیا میں مصنوعی طرز کی جمہوریت کو ہی پنپنے دیتا ہے۔ بلکہ وہ کئی کمزور ملکوں میں جمہوری نظام کو برآمد (export) بھی کرتا ہے۔ ذمہ داری سے عرض کر رہا ہوں کہ چومسکی کی سطح کا سیاسی دانشور کم از کم ہمارے ملک میں نہیں ہے۔ اور دوسری بات اور' وہ دنیا کی محنتی ترین نسل یعنی یہودیت سے تعلق رکھتا ہے۔ چومسکی جو لکھتا ہے بلکہ لکھ رہا ہے' جو کہہ رہا ہے' کم از کم ہمارے خطے میں اس کے متعلق سمجھ بوجھ حد درجہ کم ہے۔ بین الاقوامی طاقتوں کی عملی قوت اور فکری سوچ کو ہمارے چند معتبر سیاستدان حد درجہ منفی بنا کر پیش کر رہے ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ وہ تنقید صرف اس لئے کرتے ہیں کہ دنیا کی یہی مقتدر قوتیں انہیں اقتدار میں لے آئیں۔

چومسکی کے خیالات اور افکار پر بحث نہیں کرنا چاہتا۔ اس لئے بھی کہ فی الحال مجھے اس کی تمام کتابیں پڑھنے کا موقع نہیں ملا۔ مگر صرف ''Failed States'' ہی کھنگال لیں تو آپ کو ہماری داخلی سیاست' ریاستی اداروں اور معیشت کا ربط معلوم ہو جائے گا۔ گزارش کرنا چاہوں گا کہ طالب علم کی نظر میں پاکستان موجودہ صورت حال میں ایک ناکام ریاست بن چکی ہے۔ یہ قلم کرنا میرے لئے بھی بہت زیادہ تکلیف دہ ہے۔ مگر کسی صورت میں بھی اس نکتہ سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارا ملک انتہائی سرعت سے ترقی کے ماڈل سے گرتا ہوا اب بدقسمتی کی اس دلدل میں دھنس چکا ہے' جس صورت میں اس کی سالمیت' سمیت ہر عنصر داؤ پر لگ چکا ہے۔ ہمارے ہاں اس مشکل بات کو تسلیم کرنا ناممکن بنا دیا گیا ہے۔ شاید ہم مشکلات کو کسی بھی طور پر حل کرنے یا کسی سطح پر مسائل کو ختم کرنے میں عملی دلچسپی نہیں رکھتے۔ رسوائی کی بات یہ بھی ہے کہ ہمارے قائدین ہمیں حقیقت بتانے کی بجائے' ذاتی دولت اور اقتدار کو محفوظ رکھنا مقدم سمجھتے ہیں۔ یہاں اس بات کو بھی تسلیم کرنے میں کوئی برائی

نہیں کہ ملک کا کوئی ادارہ اب قوم کو بہتری کی طرف لیجانے کی اسطاعت نہیں رکھتا۔اس وقت ملک کا تمام اداروں کی ناکامی کے ثبوت موجود ہیں۔ یہ بربادی ایک دوسال میں نہیں' بلکہ یہ پانچ سے چھ دہائیوں کی بدعملی ہے جس کی بدولت آج ہم تقریباً معدوم ہونے کے نزدیک ہیں۔

مجبوری یہ ہے کہ سیاسی تاریخ کے مہروں کا تجزیہ کیے بغیر کچھ بھی نہیں لکھ سکتے۔ ہمارے ملک میں میڈیا کے کسی شعبہ بلکہ نظام کے کسی کونے میں حقیقی معاملات کا تجزیہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ بلکہ سچ کہنے اور بولنے پر پابندی ہے۔عجیب سی بات ہے کہ سچ کو چھپانے کی اس ترکیب کو''ملکی مفاد'' کہا جاتا ہے۔اصل نکتہ تو یہ ہے کہ حقیقت کو بتانا ہی اصل قومی مفاد ہے اور فریضہ بھی۔ دور نہ جایئے۔1970ء کے الیکشن کے نتائج پر غور کیجئے۔کیا بنگالیوں کو اقتدار ان کی عوامی طاقت کے حساب سے نہیں ملنا چاہیے تھا؟ سوچیئے۔مجیب الرحمٰن کو وزیراعظم بنانے کی سب سے زیادہ مخالفت کس نے کی تھی۔جنرل یحییٰ خان کی بداعتدالیاں اپنی جگہ ثابت ہیں۔مگر ذوالفقار علی بھٹو نے انتقال اقتدار کو الیکشن نتائج کے حساب سے تسلیم کرنے سے مکمل انکار کر دیا تھا۔ یہ غیر معمولی انکار کس بین الاقوامی طاقت کے حکم پر کیا گیا' اس کے شواہد موجود ہیں۔ برا نا منایئے گا۔بھٹو کے متعلق منفی بات لکھنا ہرگز ہرگز ان کی سیاسی جماعت پر تنقید نہیں ہے۔ یہ ایک تجزیہ ہے جس کی گنجائش موجود ہے۔بھٹو سے پہاڑ جیسی غلطیاں کروائی گئیں یا سرزد ہوئیں۔سوچ کر جواب دیجئے۔کہ وہ کس طاقت نے کروائی۔ہم' بھٹو کے عمدہ کپڑوں' طرز خطابت اور جوش وجذبہ کی درست تعریف کرتے ہیں۔مگر کیا اس ذہین آدمی نے واقعی ملک کے مسائل کسی حد تک حل کر دیئے تھے۔جس آئین کی بات کی جاتی ہے۔وہ تو ایک دن بھی اصل حالت میں نافذ نہیں رہا۔بہرحال ماضی سے تھوڑا سا نکل کر دیکھئے۔ہم شروع دن سے امریکی دائرہ اثر میں رہے ہیں اور آج بھی ہیں۔کسی بھی طور سے دیکھئے تو بھٹو صاحب کے پانچ برس دور حکومت میں مسائل بڑھتے رہے۔آخری دو ماہ میں کمزوری کی یہ حالت تھی کہ دائیں بازو کا مطالبہ نہ ہونے کے باوجود' پاکستانی معاشرے کو اس طرح کی قانونی پابندیوں میں جکڑ گئے جس نے پورے سماج میں سماجی بے ترتیبی پھیلا دی۔خیر اب ان پر کیا بات کی جائے۔بعدازاں جنرل ضیاء الحق کے پاس وہ فکری اسطاعت نہیں تھی کہ وہ کسی قسم کے جدت پسند فیصلے کرتا۔مگر وہ شخص امریکہ کی قوت کو سمجھتا تھا۔اور اسے بھرپور اندازہ تھا کہ امریکہ' اسلام پسندی کا سیاسی نعرہ لگوا کر پورے کرہ ارض پر طاقت کی مرکزیت بدل دے گا۔مگر ضیاء الحق بھرپور طریقے سے توازن کھو گیا۔اس نے قومی مفادات کو پس پشت ڈال دیا۔افغانستان میں جو کچھ ہوا' وہ تو چلیئے کافی حد تک پتہ ہے۔مگر جس منافقت انگیز مذہبی رویہ کو اس نے پروان چڑھایا۔وہ آج بھی ہمارے لئے سوہان روح ہے۔امریکہ سے ضیاء الحق' ملک کے لئے وہ فوائد حاصل کر سکتا تھا جو جاپان' ویت نام یا ساؤتھ کوریا نے کیے۔مگر ضیاء الحق حد درجہ ادنیٰ معاملات میں اس طور پھنسا کہ نہ امریکی حمایت کو برقرار رکھ پایا اور

نہ ہی ملک کو بھرپور ترقی کی شاہراہ پر گامزن کر پایا۔ ناکام جمہوریت کے دس برس میں بے نظیر بھٹو' امریکی طاقت کی اسطاعت کا بھرپور ادراک کرتی تھیں۔ مگر وہ بھی صرف اسے اقتدار کے حصول کے لئے استعمال کر پائیں۔ نواز شریف بھی اسی ذہنی اور فکری' گومگو کی صورت حال کا شکار رہے۔ ان دونوں کو ایک بات مکمل طور پر واضح تھی کہ امریکی مفادات کا مقامی تحفظ سیاست دان نہیں بلکہ ریاستی ادارے کرتے ہیں۔ اور آج بھی یہی صورت حال ہے۔ یہاں عرض کرونگا۔ کہ پرویز مشرف کو وہ حالات مل چکے تھے کہ امریکہ سے ہر وہ فائدہ لے سکتا تھا جس سے ملک اقتصادی طور پر مستقل بنیادوں پر کامیاب ہو جاتا۔ مگر اس نے بین الاقوامی قوتوں سے ذاتی فائدہ اٹھانا شروع کر دیا۔ ملک کو پھر افغانستان کی مستقل بدامنی کے حوالے کر کے خاموش ہو گیا۔ تھوڑا سا غور فرمایئے۔ ضیاء الحق اور پرویز مشرف امریکہ سے وہ قومی فائدے کیوں نہیں لے سکے' جو جاپان یا دیگر ملکوں نے لیے۔ مسئلہ صرف ذاتی فوائد کو حاصل کرنے کا ہے۔ اور بدقسمتی سے موجودہ صورت حال میں بھی یہ معاملہ بالکل سو فیصد ذاتی فوائد کے اردگرد ہی گھومتا نظر آتا ہے۔

موجودہ سیاسی' ریاستی اور عدالتی اداروں پر نظر دوڑایئے۔ ان کی باہمی کشمکش تشویشناک حد تک بڑھ چکی ہے۔ بین الاقوامی تناظر میں دیکھا جائے تو کرپشن کے معاملے کو جس طرح پاکستان میں پیش کیا جاتا ہے۔ وہ جوہری طور پر طاقتور ملکوں کے زاویہ سے متضاد ہے۔ مجبوری میں مثال دینا چاہتا ہوں۔ لندن میں ہر ملک کی کرپٹ اشرافیہ کی لوٹی ہوئی دولت موجود ہے۔ برطانوی حکومت نہ صرف ان لوگوں کے سرمایہ کو محفوظ رکھتی ہے بلکہ ان تمام لٹیروں کو شہریت بھی عطا کرتی ہے۔ عملی بات کر رہا ہوں۔ کسی تعلیمی مناظرہ کا حصہ نہیں بننا چاہتا۔ دراصل امریکہ اور اس کے حلیف ہمارے جیسے ممالک میں کرپشن کو بالکل برا نہیں سمجھتے۔ معاف کیجئے۔ چین کا نام لکھنا بھول گیا۔ چینی کمپنیاں' سب سے زیادہ کمیشن دیتی ہیں۔ سیاسی تاریخ کا ایک کالم میں غیر متعصب تجزیہ کرنا ناممکن ہے۔ مگر یہ تسلیم کرنا پڑے گا پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ ن' امریکہ کی طاقت کو بہتر طریقے سے سمجھتے ہیں۔ ان کو پاکستان کے معاملات میں عام لوگوں کی حمایت کافی حد تک حاصل ہے۔ پر یہاں سے چند سنجیدہ سوالات شروع ہو جاتے ہیں۔ درست ہے کہ یہ اپنا ذاتی فائدہ مقدم رکھیں گے۔ اور ہوتا بھی ایسے ہی ہے۔ مگر کیا یہ امریکہ سے بہتر تعلقات کو پاکستان کی بہتری کے لئے استعمال کریں گے یا نہیں۔ اس پر موجودہ نازک صورت حال میں کچھ بھی کہنا مشکل ہے۔ ان کے برعکس خان صاحب نے حد درجہ غیر متوازن بیانیہ اپنا لیا ہے۔ جو ہمارے قومی مفادات کے لئے مشکلات پیدا کر سکتا ہے۔ ہر وقت' امریکہ کے متعلق منفی تقاریر سے وہ خود تو اقتدار سے محروم ہو ہی چکے ہیں۔ مگر اب وہ اس بیانیے کو عوام میں کامیابی سے عام کر رہے ہیں۔ انہیں قطعاً فکر نہیں کہ غیر ملکی طاقتیں ہمارے لئے مزید کتنے مسائل پیدا کر سکتی ہیں۔ اگر آپ کو معاملات کی تہہ تک پہنچنا ہے۔ تو نوم چومسکی کی ''ناکام ریاستیں'' پڑھ لیجئے۔ ٹھنڈ پڑ جائے گی!